تصاویر قرآنی

ذہنی تصورات و مفاہیم کی تصاویر

سید قطب شہید

تصویر کشی ' قرآن مجید کے اسلوب کی سب سے عمدہ اور نمایاں خصوصیت ہے ' اور قرآنی مطالب کو ذہن نشین کرانے کا سب سے موثر ذریعہ۔ وہ مطالب و معانی ہوں جو فکری و ذہنی ہوتے ہیں ' یا انسان کے نفسیاتی حالات و کیفیات ' واقعات و حوادث ہوں یا انسانی کردار اور طبیعتیں ' قرآن ان سب کو ایسی تصویروں کی صورت میں پیش کرتا ہے جو ہم چشم تصور سے دیکھ سکتے ہیں ' محسوس کر سکتے ہیں ۔پھر وہ جو تصویر کھینچتا ہے ' اس میں رنگ بھرتا ہے ' اس میں جان ڈالتا ہے ' اس میں زندگی و حرکت پیدا کرتا ہے ۔ اس طرح ایک ذہنی معنی متشکل اور متحرک ہو کر سامنے آجاتے ہیں ' نفسیاتی حالت ایک منظر کی صورت اختیار کر لیتی ہے ' ایک انسانی کردار زندہ شخص بن کر آنکھوں کے سامنے نمودار ہو جاتا ہے ' انسانی طبیعت کو مجسم دیکھا جا سکتا ہے ۔ اسی طرح قرآنی تصویر کے ذریعے ' ہونے والے واقعات و مشاہدات اور قصص و مناظر ابھر کر آنکھوں کے سامنے آکھڑے ہوتے ہیں ' ان میں زندگی ہوتی ہے ' ان میں حرکت ہوتی ہے ۔جب قرآن ان تصاویر میں مکالمہ بھی شامل کر دیتا ہے ' تو تخیل کے تصور کے لیے سارے عناصر جمع ہو جاتے ہیں ۔جب وہ ان کو اسٹیج پر پیش کرنا شروع کرتا ہے ' تو سامعین ' ناظرین بن جاتے ہیں ' یہاں تک کہ قرآن ان کو اصل واقعہ کے اسکرین پر پہنچا دیتا ہے ۔جب ایک کے بعد ایک منظر آتا ہے ' اور ہر حرکت کے بعد ایک نئی حرکت سامنے آتی ہے ' تو کلام کا سامع ان مناظر میں محو ہو کر بھول جاتا ہے کہ یہ کوئی کلام ہے جو پڑھا جا رہا ہے ' یا مثال ہے جو بیان کی جا رہی ہے ' بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ ایک منظر ہے جو پیش کیا جا رہا ہے ' ایک واقعہ ہے جو وقوع پذیر ہو رہا ہے ۔یہ مناظر اسکرین پر نمودار ہوتے ہیں ' اور غائب ہو جاتے ہیں ۔

جو تصویر ' ذہنی و فکری مطالب ' نفسیاتی کیفیات ' انسانی کردار یا واقعات کی منظر کشی کرتی ہے ' وہ صرف الفاظ پر مشتمل ہوتی ہے ' اس میں نہ تو رنگ ہوتا ہے جس کے ذریعے تصویر کھینچی جاتی ہے اور نہ ہی اشخاص و رجال ہوتے ہیں جن میں قوت ناطقہ پائی جاتی ہو ۔تو اس بات سے ہم پر یہ راز کھل جاتا

ہے کہ قرآن کے انداز بیان کا یہ رنگ اپنے اندر کس قدر اعجاز رکھتا ہے۔

جہاں تک قرآنی تصویر کشی کی مثالوں کا تعلق ہے' ہم کہیں گے کہ پورا قرآن ہی اس کی مثال ہے۔ جن اغراض و مقاصد کا تذکرہ ہم نے کیا ہے' جہاں ان میں سے کوئی غرض بھی پائی جاتی ہو' قرآن تصویر کشی کا یہ اسلوب اختیار کر لیتا ہے۔ جہاں کسی ایسے معنی و مفہوم کا اظہار مقصود ہو جو مادی نہ ہو' صرف ذہنی ہو' یا نفسیاتی حالت اور معنوی صفت کا ذکر مقصود ہو' یا کسی انسانی کردار یا وقوع پذیر ہونے والے واقعہ یا گذشتہ قصہ پر روشنی ڈالنے کی ضرورت ہو' یا قیامت کے مناظر میں سے کسی منظر کو بیان کرنا ہو' جنت و جہنم کے راحت و عذاب کا ذکر مقصود ہو' یا بحث و تکرار اور جدل و نزاع میں کوئی مثال بیان کرنے کی ضرورت ہو' یا علی العموم بحث و جدل پیش نظر ہو' وہاں بالعموم قرآن نے کسی محسوس یا خیالی منظر کے اسلوب ہی پر اعتماد کیا ہے۔

جب ہم نے کہا تھا کہ یہ تصویر کشی' قرآن مجید کے اسلوب کی سب سے عمدہ اور نمایاں خصوصیت ہے تو ہماری مراد یہی تھی۔ تصویر کشی سے نہ کلام کا حسن مقصود ہے اور نہ ہی یہ بلاموقع و محل بر سبیل اتفاق قرآن میں استعمال کی جاتی ہے۔ تصویر کشی کا ایک مخصوص و معین قاعدہ اور طریقہ ہے۔ اگرچہ حسب موقع و مقام اس کو مختلف طریقوں سے استعمال کیا جاتا ہے مگر انجام کار اس کا اختتام اسی ایک بڑے قاعدہ پر پہنچ کر ہوتا ہے۔ اسے ہم قاعدۂ تصویر کہیں گے۔

واضح رہے کہ ہم تصویر مفہوم کو وسیع معنوں میں لیں گے' تاکہ ہم کو معلوم ہو سکے کہ قرآن میں فنی تصویر کے اطراف و حدود کیا ہیں۔ یہ تصویر رنگ کی مدد سے بھی کھینچی جاتی ہے اور حرکت و تخیل کے ذریعے بھی۔ تصویر کشی میں بعض اوقات رنگ کے بجائے نغمہ اور آہنگ سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے۔ اکثر یوں بھی ہوتا ہے کہ تصویر سازی میں شکل و صورت' مکالمہ' الفاظ کی آواز' عبارت کی موزونی' اور سیاق و سباق کی یک رنگی و ہم آہنگی سے تصویر کو ظاہر و نمایاں اور موثر کیا جاتا ہے۔ جب یہ تصویر سامنے آتی ہے تو آنکھ' کان' احساس' خیال اور فکر و وجدان سب ہی اس سے لذت یاب ہوتے ہیں۔

قرآنی تصویر بے جان رنگوں اور جامد خطوط سے نہیں بنائی جاتی' بلکہ یہ زندہ تصویر ہوتی ہے' اور زندہ لوگوں کی دنیا سے ماخوذ ہوتی ہے۔ یہ ایسی تصویر ہوتی ہے جس میں بعد اور مسافت کا اندازہ شعور و وجدان سے کیا جاتا ہے' معانی تصویر کی شکل میں سامنے آتے ہیں' اور زندہ انسانوں کے نفوس کو متاثر کرتے ہیں یا ان طبعی مناظر پر اثر انداز ہوتے ہیں جن کو زندگی کا لباس پہنایا گیا ہوتا ہے۔

اب ہم اس قرآنی تصویر کشی کی چند مثالیں کرتے ہیں:

ذہنی معانی و مفاہیم، محسوس صورت میں

۱۔ اللہ تعالیٰ کو اس حقیقت کا واضح کرنا مقصود ہے کہ قیامت کے دن کفار کو بارگاہ الٰہی میں

قبولیت حاصل نہیں ہوگی اور وہ جنت میں ہرگز داخل نہیں ہو سکیں گے۔ یوں کہنا کہ "قبولیت اور جنت میں داخلہ ان کے لیے ایک امر محال ہو گا" اس حقیقت کو ادا کرنے کے لیے ایک ذہنی طریقہ تھا' مگر اسلوب تصویر کشی اس حقیقت کی تصویر یوں پیش کرتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ (الاعراف ۷: ۴۰)

یقین جانو' جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہے اور ان کے مقابلہ میں سرکشی کی ہے ان کے لیے آسمان کے دروازے ہرگز نہ کھولے جائیں گے۔ ان کا جنت میں جانا اتنا ہی ناممکن ہے جتنا سوئی کے ناکے سے اونٹ کا گزرنا۔

اس آیت کو پڑھ کر تمھاری نگاہِ تصور کے سامنے دو تصویریں گھومنے لگتی ہیں۔ ایک آسمان کے دروازے کے کھلنے کی تصویر' اور دوسری ایک بہت موٹے رسہ کے سوئی کے ناکہ میں جانے کی تصویر۔ موٹے رسے کے لیے یہاں خاص طور پر "الجمل" (اونٹ) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے' تاکہ رسے کی موٹائی کی تصویر اور گہری ہو جائے۔ یعنی اللہ کے نزدیک غیر قبولیت اور جنت میں داخل ہونے کے ناممکن ہونے کا مفہوم نفس انسانی کی گہرائی میں اتر جائے' صرف ذہنی راستہ ہی سے نہیں' بلکہ مشاہدے اور احساس کے راستے۔ اب یہ قاری کی قوت احساس کا کام ہے کہ وہ ان دونوں صورتوں کے تصور سے وہ تاثر حاصل کرے جو قرآن کے پیش نظر ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ قیامت کے دن کفار کے اعمال کو اس طرح ضائع کر دیا جائے گا گویا ان کا وجود ہی نہ تھا' نہ وہ دوبارہ ان کے ہاتھ آئیں گے۔ اس مفہوم کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی گئی ہے۔

وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا (الفرقان ۲۵: ۲۳)

اور جو کچھ بھی ان کا کیا دھرا ہے اسے لے کر ہم غبار کی طرح اڑا دیں گے۔

اس آیت کو پڑھ کر جب اڑتی ہوئی خاک کا منظر تمھارے ذہن میں آتا ہے' تو اعمال کے ضائع ہو جانے کا مفہوم ایک نہایت واضح اور نمایاں تصویر بن کر سامنے آجاتا ہے۔

۳۔ درج ذیل آیت میں اسی مفہوم کی کسی قدر طویل تصویر پیش کی گئی ہے۔

مَّثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ لَّا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ (ابراہیم ۱۴: ۱۸)

جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا ہے ان کے اعمال کی مثال اس راکھ کی سی ہے جسے ایک طوفانی دن کی آندھی نے اڑا دیا ہو۔ وہ اپنے کیے کا کچھ بھی پھل نہ پا سکیں گے۔

تیز آندھی چل رہی ہے۔ ہوا کی حرکت کی وجہ سے اس تصویر میں مزید حرکت اور زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ آندھی کے باعث راکھ اڑ جاتی ہے اور ذرہ ذرہ ہو جاتی ہے' جو پہلے ہی مٹی کے مقابلے میں زیادہ ہلکی اور پریشان ہے۔ وہ پھر یکجا نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح کفار کے اعمال بھی اس راکھ کی طرح نیست و نابود ہو جائیں گے' وہ کسی طرح ان کے کام نہیں آ سکتے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کو بیان کرنا مقصود ہے کہ جو انفاق نمود و نمایش کے لیے دیا جائے' پھر اس کے بعد جسے دیا جائے اس پر احسان بھی جتلایا جائے اور اسے ستایا جائے' تو نہ اس کا پھل ملے گا' نہ وہ باقی رہے گا۔ اس ذہنی اور معنوی بات کو اس محسوس اور متخیل صورت میں بیان کیا گیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا (البقرہ ۲: ۲۶۴)

اے ایمان والو' اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کی خاطر خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے نہ آخرت پر۔ اس کے خرچ کی مثال ایسے ہے جیسے ایک چٹان تھی' جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ اس پر جب زور کا مینہ برسا تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی۔ ایسے لوگ اپنے نزدیک خیرات کر کے جو کماتے ہیں اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا۔

ایک ہموار پتھر کی چٹان نگاہوں کے سامنے ہے' اس کو ایک ہلکی سی مٹی کی تہہ نے ڈھانپ رکھا ہے۔ توقع یہی ہے کہ اس میں سے سبزہ اگے گا۔ لیکن جب اس پر بارش کا پانی گرتا ہے' تو' بجائے اس کے کہ اس مٹی سے سبزہ نمودار ہو اور وہ لہلہائے --- جیسا کہ زمین کی فطرت ہے' جب اس پر آسمان کا فیض نازل ہو --- چٹان نمودار ہو جاتی ہے اور مٹی کی وہ ہلکی سی تہہ بہہ جاتی ہے جس نے اس کا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا اور جس سے سبزے اور پھل میوے کی توقع تھی۔

اب دوسری آیت آتی ہے جو ریا کے اور احسان و ایذا سے صدقے کے ضائع جانے کے بالمقابل تصویر سامنے لاتی ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا (البقرہ ۲: ۲۶۵)

بخلاف اس کے جو لوگ اپنے مال محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے دل کے پورے ثبات و قرار کے ساتھ خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال ایسے ہے جیسے کسی سطح مرتفع پر ایک باغ ہو' اگر زور کی بارش ہو جائے تو دگنا پھل لائے اور اگر زور کی بارش نہ بھی ہو تو ایک ہلکی پھوار ہی اس

کے لیے کافی ہو جائے۔

یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے۔ جو مال رضا الٰہی کے حصول کے لیے خرچ کیا جائے وہ ایک باغ کی مانند ہے ' جب کہ نام و نمود کی خاطر خرچ کیا ہوا مال مٹی کی ہلکی تہہ کے مماثل تھا۔ وہ مٹی چکنے پتھر کے اوپر جمی ہوئی تھی ' جب کہ یہ باغ ایک ٹیلے کے اوپر ہے۔ بارش دونوں صورتوں میں ہوتی ہے۔ مگر پہلی حالت میں اس نے مٹی کو دھو کر صاف کر دیا ' اور پتھر میں نشو و نما کی کوئی گنجایش باقی نہ رہی۔ اس تصویر میں بارش نے باغ کی سرسبزی و شادابی میں اضافہ کر دیا ہے۔ پہلی تصویر میں بارش پتھر پر ہوئی ' چٹان کی چٹان رہ گئی ' گویا اس کا بدنما چہرہ کھل کر سامنے آ گیا۔ مگر دوسری تصویر میں بارش باغ پر برسی ' اور جب بارش کا پانی مٹی کے ساتھ ملا تو پھل میوے نمودار ہوئے۔ اگر بارش نہ بھی ہوتی تو بھی اس میں سرسبزی اگانے کی استعداد موجود تھی۔ اس استعداد کے باعث معمولی بارش سے بھی اس میں کھیتی لہلہانے لگتی اور بارش نہ بھی ہوتی ' تو بھی۔

میں اس موقع پر اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کہ دونوں تصویروں کے موقع و مقام میں کس قدر ارتباط اور توافق پایا جاتا ہے اور جزئیات میں کس قدر مماثلت ہے ' اور ان کے نظم و نسق میں کس قدر محاسن پنہاں ہیں۔ مثلاً پتھر پر مٹی کی ہلکی تہہ جم جانے سے وہ ایذا رساں انسان مراد ہے جو نمود و نمائش کے جذبہ سے صدقہ دیتا ہے اور یہ صدقہ کسی حد تک اس کے عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے ' اس لیے کہ ریاکاری ایک ہلکا سا پردہ ہے جو سخت دل کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ نیز یہ کہ باغ کو ٹیلے پر ظاہر کر کے اس کا تقابل مٹی کی اس ہلکی تہہ کے ساتھ کیا گیا ہے جو صاف پتھر پر جم گئی ہو۔ دراصل اس قسم کی تشریح کے لیے تفصیل درکار ہے ' جس کا بیان اپنے موقع پر ہو گا۔

۵۔ پھر اسی مضمون کو دوبارہ یوں بیان کیا گیا ہے:

مَثَلُ مَا یُنفِقُوْنَ فِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَثَلِ رِیْحٍ فِیْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ
(آل عمران ۳: ۱۱۷)

جو کچھ وہ اپنی اس دنیا کی زندگی میں خرچ کر رہے ہیں ' اس کی مثال اس ہوا کی سی ہے جس میں پالا ہو اور وہ ان لوگوں کی کھیتی پر چلے جنھوں نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا اور اسے برباد کر کے رکھ دے۔

اس آیت میں ایک کھیتی کا منظر کھینچا گیا ہے ' جس پر تیز ہوا چل رہی ہے ' اس ہوا میں شدید سردی بھی ہے ' اور وہ کھیتی اور تمام پھل پھولوں کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کھیتی والے کا کیا دھرا سب ضائع ہو گیا اور وہ اپنی محنت کا کچھ پھل نہ پا سکا۔ بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص حالت کفر میں نیک مقاصد کے لیے مال خرچ کرے اور اجر کا امیدوار ہو ' مگر اس کا کفر اس کی

ساری امیدوں کو خاک میں ملا دے۔

یہ امر پیش نظر رہے کہ صر کے لفظ، تلفظ اور آواز ہی سے کسی حد تک اس کے مفہوم کا اظہار ہو جاتا ہے۔گویا چھوٹی چھوٹی توپوں سے گولہ باری کر کے اس کھیتی کو تباہ کیا جا رہا ہے۔یہ الفاظ و معانی کا باہمی توافق و تطابق ہے جس پر ہم الگ سے روشنی ڈالیں گے۔

۶۔اللہ تعالیٰ یہ بیان کرنا چاہتا ہے کہ صرف وہی کسی پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہے اور اس کی آرزو بر لاتا ہے۔اس کے سوا جن معبودوں کو پکارا جاتا ہے وہ کسی چیز کے مالک نہیں، اور ان کی کسی آرزو کو پورا نہیں کر سکتے، خواہ جس چیز کی انھیں آرزو ہے وہ قریب ہی کیوں نہ ہو۔اس مفہوم کی کس قدر عجیب و غریب تصویر کھینچی گئی ہے:

لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ، وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ○ (الرعد ۱۳: ۱۴)

اس کو پکارنا برحق ہے۔رہیں وہ دوسری ہستیاں جنھیں اس کو چھوڑ کر یہ لوگ پکارتے ہیں وہ ان کی دعاؤں کا کوئی جواب نہیں دے سکتیں۔انھیں پکارنا تو ایسا ہے جیسے کوئی شخص پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر اس سے درخواست کرے کہ تو میرے منہ تک پہنچ جا، حالانکہ پانی اس تک پہنچنے والا نہیں ہے۔بس اس طرح کافروں کی دعائیں بھی کچھ نہیں ہیں۔

ایک زندہ شخص پانی لینے کے لیے ہاتھ پھیلائے کھڑا ہے، پانی قریب ہے، وہ منہ سے لگانا چاہتا ہے، مگر نہیں لگا سکتا۔کتنا ہی ہاتھ پھیلالے اور کوشش کر لے، نہیں لگا سکے گا۔یہ بڑی جاذب التفات تصویر ہے جو حس و وجدان کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔کتنی ہی کوشش کی جائے، اس سے نگاہ کو ہٹانا ممکن نہیں ہے۔اس سے بہتر تصویر الفاظ کے ذریعے کھینچی نہیں جا سکتی۔

۷۔بیان یہ کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن معبودوں کی پرستش کی جاتی ہے وہ نہ تو سنتے ہیں نہ بولتے ہیں، عقل و شعور اور قوت گویائی سے بھی بے بہرہ ہیں۔اس لیے ان کے پرستاروں کا ان کو پکارنا بالکل عبث اور بے کار ہے۔اس مضمون کو بیان کرنے کے لیے جو تصویر کشی کی گئی ہے، وہ اس حالت کو اس طرح ظاہر اور مجسم کر دیتی ہے کہ صرف عبارت کے ذریعے احساس اور نفس پر یہ اثر ڈالنا ممکن نہیں ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (البقرہ ۲: ۱۷۱)

یہ لوگ جنھوں نے خدا کے بتائے ہوئے طریقے پر چلنے سے انکار کر دیا ہے ان کی حالت بالکل ایسی ہے جیسے چرواہا جانوروں کو پکارتا ہے اور وہ ہانک پکار کی صدا کے سوا کچھ نہیں سنتے۔یہ

بہرے ہیں 'گونگے ہیں 'اندھے ہیں 'اس لیے کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

کفار جن معبودوں کو پکارتے ہیں وہ نہ سن سکتے ہیں 'نہ سمجھ سکتے ہیں۔وہ نہ تو ان کی آوازمیں تمیز کر سکتے ہیں اور نہ ان کا مقصد سمجھ سکتے ہیں۔یہ ایک تمثیل ہے۔اس آیت میں ایک جماعت کی تصویر کھینچی گئی ہے جو معبودوں کو پکار رہی ہے۔ان کی مبہم آواز معبودوں تک پہنچ رہی ہیں 'مگر وہ ان کا مطلب خاک بھی نہیں سمجھتے۔اس تصویر سے جہاں پکارنے والوں کی غفلت اور ان کی بے سود آہ و پکار کو دیکھا جا سکتا ہے 'وہاں پکارے جانے والوں کی بے خبری بھی دیکھی جا سکتی ہے 'اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ جواب دینے کی اہلیت سے بھی محروم ہیں۔

۸۔ اللہ تعالیٰ کو مقصود یہ ہے کہ اس مضمون کی تصویر کشی کی جائے کہ اللہ کے سوا جن کو بھی لوگ معبود یا کارساز تصور کرتے ہیں وہ حد درجہ کمزور ہیں 'ان کے پرستار جس کو ملجا و ماویٰ ٹھہرائے ہوئے ہیں 'وہ ان کو پناہ دینے کے بھی قابل نہیں۔اس صورت حال کی تصویر یوں کھینچی گئی ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ (العنکبوت ۲۹: ۴۱)

جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے سرپرست بنا لیے ہیں 'ان کی مثال مکڑی جیسی ہے جو اپنا ایک گھر بناتی ہے اور سب گھروں سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا گھر ہی ہوتا ہے۔

معبودان باطل کو پکارنے والے خود بھی کمزور مکڑیوں کی طرح ہیں۔وہ جھوٹے خداؤں اور کارسازوں کے جس گھر میں پناہ لے رہے ہیں 'وہ بھی مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہے اور بے کار ہے۔حیرت کی بات ہے کہ وہ اس قدر موٹی سی بات کو بھی نہیں دیکھ رہے۔گویا عجز وضعف کے ساتھ ساتھ ان کی جہالت و غفلت بھی قابل دید ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ ایک نظر آنے والی بدیہی بات کے سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔

۹۔ اس امر پر روشنی ڈالنا مقصود ہے کہ شرک کرنا ایک ایسے فعل کا ارتکاب کرنا ہے جو بے سروپا ہے اور بنیاد و بقا و قرار سے عاری ہے۔اس مفہوم کو ذہن نشین کرانے کے لیے اس کو ایک ایسی چیز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو تیز رو ہے مگر اسے حرکت کرنے میں دشواری کا سامنا ہوتا ہے۔

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ (الحج ۲۲: ۳۱)

اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر گیا۔اب یا تو اسے پرندے اچک لے جائیں گے یا ہوا اس کو ایسی جگہ لے جا کر پھینک دے گی جہاں اس کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔

اس آیت میں مشرک کی تصویر یوں کھینچی گئی ہے: وہ ایک لمحہ میں بہت اونچے آسمان سے نیچے گر پڑا۔ کہاں سے گرا، کہاں اٹکا، کسی کو خبر بھی نہیں، اور نہ کسی نے خبرگیری کی۔ پھر وہ زمین پر بھی ٹھہرا نہیں۔ پرندے اس کو اچک لے گئے یا ہوا نے اس کو اٹھا کر ایسی جگہ پھینک دیا جس کا کسی کو علم نہیں۔

۱۰۔ مقصود یہ ہے کہ آخرت میں ان اہل کتاب کی محرومی اور بدنصیبی کو بیان کیا جائے، جن کو ظہور اسلام سے قبل آسمانی کتاب عطا ہوئی۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے اس پر ایمان لانے کا عہد و پیمان بھی باندھا، مگر تھوڑے سے مادی نفع کے لیے اسے یوں نظرانداز کر دیا جیسے سرے سے کوئی عہد باندھا ہی نہ ہو۔ چنانچہ ان کی روز قیامت کی محرومی و بدنصیبی جیسے مضمون کی محسوس تصویرکشی یوں کی گئی:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (آل عمران ۳: ۷۷)

جو بھی اپنے عہد کو پورا کرے گا اور برائی سے بچ کر رہے گا وہ اللہ کا محبوب بنے گا، کیوں کہ پرہیزگار لوگ اللہ کو پسند ہیں۔ رہے وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالیں ان کے لیے تو سخت دردناک سزا ہے۔

اس آیت میں اہل کتاب کی محرومی اور بدنصیبی کا ذکر کیا، مگر محرومی کا لفظ استعمال کرنے کے بجائے ان علامات کا ذکر کیا جو ان کی بدترین محرومی پر دلالت کرتی ہیں، یعنی اللہ کی رحمت اور محبت سے محرومی اور اس کا درد و الم: اللہ تعالیٰ ان کو شرف ہم کلامی نہیں بخشتا، نہ ان سے بات کرتا ہے، نہ ان پر نگاہ کرم ڈالتا ہے، نہ ان کا تزکیہ کرتا ہے، بلکہ ان کو دردناک عذاب میں مبتلا کرتا ہے کہ یہ سب رحمت، محبت اور کرم سے محرومی کی علامات ہیں۔ (جاری)

[ترجمہ و تدوین: خرم مراد، التصویر الفنی فی القرآن، ترجمہ غلام احمد حریری]

امریکہ و کینیڈا میں ماہ نامہ ترجمان القرآن و روز نامہ جسارت اور دیگر تحریکی رسائل حاصل کرنے کیلئے درج ذیل پتہ پر رابطہ قائم کیجیے۔

Islamic Education & Media

730 E 10St GF Brooklyn NY 11230

PH: (718) 421 - 5428

عمر عبدالعزیز، نمائندہ ترجمان القرآن و جسارت برائے امریکہ و کینیڈا